© rasailojaraid.com

عثمانؓ
صرف تاریخ کی روشنی میں

از

(ڈاکٹر طہٰ حسین)

مترجم

(جناب مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی)

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے "برہان" بابتہ ماہ اپریل ۵۵ء)

پھر بہتوں نے ان میں سے خلوص سے کہئے یا خود غرضی سے یہ چاہا کہ نبیؐ کے ساتھ غزوات میں شریک نہ ہونے اور مصائب برداشت نہ کرنے کی تلافی اس وقت کی فتوحات میں شرکت اور اس کی راہ میں مصیبتیں اٹھا کر کردیں، چنانچہ جب عربوں نے اس طرف رُخ کیا تو یہ لوگ چاہے سُستی سے چاہے چستی سے بہر حال ہم رکاب ہوگئے ان میں سے بہتوں کا مقصد تو دنیا تھی اور کچھ تھوڑے سے آخرت کے چاہنے والے بھی تھے، ان کے لیڈر اور سردار خوب سمجھ رہے تھے کہ وہ فتح مکہ کی پیداوار ہیں اور ان کا درجہ اسلام کے سابقین اولین سے کم ہے، یہ احساس ان کے لئے سخت کوفت کا باعث تھا اور ان میں احساسِ کمتری کے جذبات پیدا کر رہا تھا، پھر وہ بھی جانتے تھے کہ ان کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے کیا ہے؟ اور اسی وجہ سے وہ فاروق اعظم سے برہم تھے اور چاہتے تھے کہ جہاد میں شرکت کرکے اور شدائد اور مصائب کا مقابلہ کرکے ثابت کردیں کہ ان کے بارے میں خلیفہ ثانی کی رائے کس قدر حقیقت سے دور ہے، اور یہی مطلب ہے اس جملے کا جو خالد بن ولید کی زبان سے اس وقت نکلا جب وہ شام کی کسی لڑائی میں گر پڑے اس وقت عکرمہ ابن ابو جہل کی ران پر اپنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سر رکھے ہوئے خالد بن ولید نے کہا "حنتمہ کا لڑکا سمجھتا ہے کہ ہم لوگ اللہ کی راہ میں جان دینا نہیں جانتے"۔ حنتمہ حضرت عمرؓ کی والدہ کا نام ہے۔

پس قریش کے لئے حضرت عمرؓ کے مسلک میں جو شدت تھی اس کی بنیاد یہ تھی کہ وہ ان کے اندرونی حالات سے اچھی طرح باخبر تھے، وہ جانتے تھے کہ ان کی طبیعت کیسی ہے، اپنا پوزیشن باقی رکھنے اور متوقعہ درجات تک پہنچنے کے وہ کتنے حریص اور کٹر ہیں چاہے اس سلسلہ میں خود خلیفہ مشکلات اور مصیبتوں کا شکار ہو جائے ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مصلحت سے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو ریشم کا کرتا پہننے کی اجازت دے دی تھی، ایک دن عبدالرحمن حضرت عمرؓ کے پاس آئے، ان کے ساتھ ان کا نوجوان لڑکا بھی تھا جس کے جسم پر ریشمی قمیص تھی، حضرت عمرؓ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا یہ کیا ؟ اور گریبان میں ہاتھ ڈال کر نیچے تک قمیص چاک کر دی، عبدالرحمن بن عوف نے کہا کیا آپ نہیں جانتے کہ رسول اللہ نے مجھے ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دے رکھی ہے صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ نے فرمایا، ہاں جانتا ہوں تمہاری ایک مجبوری پر تم کو اجازت دی گئی لیکن تمہارے لڑکے کو تو اس کی اجازت نہیں

اس طرح حضرت عمرؓ کو خطرہ لگا رہتا کہ مہاجرین رسول اللہ صلعم کی تھوڑی سی دی ہوئی رخصت کو بڑھا کر زیادہ کر دیں گے اور غیر مہاجر قریشی تو جن معاملات میں نبیؐ کی طرف سے کوئی رخصت نہیں اس میں بھی اپنی طرف سے اضافہ۔ حضرت عمر دریا کے خطرات سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے حضرت معاویہ کو بحری جہاد سے روکتے رہے لیکن غالب گمان یہ ہے کہ اس احتیاط میں حضرت عمر کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ بحری جہاد میں جس پر حضرت معاویہ کو بڑا اصرار تھا مواقع سے فائدہ اٹھانے کے امکانات رہا کرتے ہیں جس کے لئے قریش ہر وقت پا بر کاب رہا کرتے ہیں حضرت عمر یہ اپنی ذمہ داری تصور فرماتے تھے کہ وہ عام مسلمانوں کو قریشی نوجوانوں کی ان معرکہ آرائیوں سے دور رکھیں جن میں مواقع سے فائدہ اٹھا لینے کے جذبات کام کر رہے ہوں، یہ تو آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت نے قریشیوں کو ایک جدید امتیاز کا مالک بنا دیا تھا، حضرت عمر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی امتیاز میں خطرہ دیکھ رہے تھے اور چاہتے تھے کہ اس کی حد بندی کر دی جائے اور اس کو بے لگام نہ ہونے دیا جائے۔

حضرت عثمان جس رعایا کے خلیفہ بنے اس کے ایک طبقے کا یہ حال تھا اور اس کے پیش نظر ذی النورین کے سامنے دو ہی راستے تھے، یا تو وہ فاروق اعظم کی طرح شدّت سے کام لیتے اور ممتاز مہاجر صحابہ کو مدینہ میں روکے رکھتے قریشیوں سے اپنے اندیشوں کا اظہار کرتے رہتے اور ایک مقررہ حد سے آگے ان کو بڑھنے نہ دیتے، حکومت کے معاملات اور حکمرانی کے عہدوں پر عام عربوں بلکہ عام مسلمانوں میں سے انھیں افراد کو مقرر فرماتے جو ذمہ داری سنبھالنے کے پورے اہل ہوتے، یا پھر نرمی کی راہ اختیار فرماتے اور قریش کے لئے راستہ صاف کر دیتے جس پر چل کر وہ ذاتی مفاد کی نہ ختم ہونے والی منزلوں پر پہنچتے، آگے کی سطروں میں آپ پڑھیں گے کہ حضرت عثمان نے اپنی مرضی سے کہئے یا مجبور ہو کر یہی دوسرا راستہ اختیار کیا۔

انصار رعایا حضرت عثمان کی رعایا میں دوسرا طبقہ انصار کا تھا۔ اسلام میں انصار کا درجہ بیان سے بے نیاز ہے، قرآن مجید میں ان کی تعریف محفوظ ہے، نیز نبیؐ نے ان کے لئے رعایت کے جو احکام دیئے ہیں وہ بھی برحق و برقرار ہیں، تم یہ جانتے ہو کہ حضرت ابوبکرؓ کی اس روایت کے بعد کہ "امامت قریش میں ہے" خلافت میں انصار کا حصّہ نہیں رہا، تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ صدیق اکبرؓ نے فرمایا تھا "ہم امیر اور تم وزیر"، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ انصار سے مشورہ لیا کرتے تھے جس طرح مہاجرین سے مشورہ فرماتے تھے، یہی حال حضرت عمرؓ کا بھی تھا، حضرت عثمانؓ نے بھی انصار سے مشورہ لینے میں کبھی کوتاہی نہیں کی، لیکن یہ تینوں خلفاء ان انصار سے مشورہ لیا کرتے تھے جو رسول اللہ صلعم کے صحابہ تھے لیکن انصار کی وہ نئی نسل جو صدیق اکبرؓ کے زمانے میں قابل ذکر نہ تھی لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں وہ کچھ سمجھنے بوجھنے لگی، اور حضرت عثمانؓ کے دور میں تو ان کی آتش احساس بہت تیز ہو چکی تھی، اس نئی نسل اور اس کے نوجوانوں کو عام عربوں میں کوئی امتیازی شان حاصل نہ تھی، حضرت عمرؓ عمال اور حکمرانی کے عہدوں کے سلسلے میں صرف قریش تک اپنی تلاش محدود نہیں رکھتے تھے بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کی نگاہِ انتخاب پورے عرب کی طرف اُٹھتی تھی، اور اگر فاروق اعظم زندہ رہتے تو وہ انصار کے نوجوانوں کو مطمئن کردیتے کہ حکومت دوسروں کی طرح ان کے حقوق کا بھی خیال رکھتی ہے اور اس سلسلے میں اس کی طرف سے کوئی بے نیازی یا کوتاہی نہیں ہوسکتی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کے طرزِ عمل اور روش سے ممتاز انصار صحابہ پورے اخلاص کے ساتھ خوش تھے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عام انصار اور خاص طور پر نوجوان طبقہ قریش کی امتیازی سیادت اور چودھری پنے سے سخت تنگ اور نالاں تھا، اور کیوں نہ ہوتا بدر کے موقع پر انصار ہی نے تو قریشیوں کو نیچا دکھایا تھا، مہاجرین کے ساتھ مکہ میں داخل ہونے والے ہر طرف سے آئے ہوتے انصار ہی تو تھے، ان حالات میں انصار کی تسلی اور اُن کے سکون کا یہ بہت بڑا سامان تھا کہ حضرت عمرؓ قریشیوں کے لئے بڑے سخت تھے اور ان کو عام مسلمانوں پر کوئی فوقیت اور امتیاز نہیں دینا چاہتے تھے، پس حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہوجانے کے بعد انصار کے نقطۂ نظر کا دار و مدار خلیفہ کے طرزِ عمل پر تھا، اگر خلیفہ حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلا تو ان کو بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح دنیاوی امور میں حصہ لینے کا پورا پورا موقع ہوگا اور اگر اس نے قریش کو ترجیح دی اور ان کی طرفداری کی تو انصار یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ ایک مطلق العنان اور مطلبی سیادت ہے، اور ان کا درجہ قریش کے بالمقابل متبعین کا درجہ ہے اور وہ امامت کے علاوہ معاملات میں بھی ان کی برابری کے نہیں ہوسکتے، آگے چل کر آپ پڑھیں گے کہ حضرت عثمانؓ نے جبراً قہراً یا خوشی خوشی قریش کو ترجیح دی، اور اس ترجیح کا انصار کے دلوں پر بہت برا اثر پڑا جس کے نقوش بعد میں ہونے والے انقلابات اور فتنوں میں نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ کی رعایا میں تیسرا گروپ مذکورہ بالا دو طبقوں کے علاوہ حضرت عثمانؓ کی رعایا میں ایک تیسرا گروپ ان عام عربوں کا تھا جو دل سے یا بادل ناخواستہ مسلمان ہوئے تھے، اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے ان کو جہاد اور فتوحات کے لئے روانہ کردیا تھا، یہ لوگ فتوحات کے بعد اپنے اپنے شہروں اور سرحدوں میں مقیم ہوگئے تھے، یہی لوگ ایک طرف مسلمانوں کی حفاظت کے لئے دیوار کا مرتبہ رکھتے تھے دوسری طرف مسلمانوں کی فوجی طاقت تھے، جس سے مزید فتوحات کا سلسلہ بڑھتا جارہا تھا، اسلام نے ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے وعدہ کیا تھا کہ سب لوگ مساوی ہیں، برابری کا درجہ رکھتے ہیں ہاں فضیلت کی چیز تقویٰ، اہلیت اور آزمائش ہے، پس یہی عام عرب درحقیقت اسلام کا سرمایہ اور اس کی دولت تھے، جیسا کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، انھیں لوگوں نے فتوحات کیں، دشمن کو زیر کیا، اللہ کا دین دنیا کے گوشوں تک پہنچایا اس لئے یہی حقدار ہیں ان کے سوا کسی کو ترجیح نہ دی جائے، لیکن ان تمام خصوصیات کے بعد چوں کہ یہ نئے نئے مسلمان ہیں، عہدِ جاہلیت سے قریب ہیں، ابھی وہ بھولے نہیں کہ اُن میں سخت دشمنی اور عداوت، عصبیت اور تفاخر کے جذبات ہیں، تکبر اور غرور کے جو اوصاف وہ شروع سے رکھتے تھے اب اُن میں جدید امتیازات کا اضافہ ہو چکا ہے جو پہلے سے زیادہ شاندار اور اعلیٰ ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کے لئے مدبرانہ سیاست یہی تھی کہ اول تو ان کے دلوں سے وہ پرانی عصبیت اور گھمنڈ مٹایا جائے، پھر خالص اسلامی تربیت کے اثرات ان میں پیدا کئے جائیں اور عدل و مساوات کی وہ عملی مثال ان کے سامنے پیش کی جائے جس کا خدا نے وعدہ کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی سیاست کو عملی جامہ پہنانا چاہا تھا چنانچہ انھوں نے حتی الامکان دلوں کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی عصبیت اور دماغوں میں بیٹھی ہوئی کدورت کو دور کیا اُن شاعروں تک کو متنبہ کیا جو اشعار اور قصائد میں عہدِ جاہلیت کے تفاخر کا بیان کرتے تھے، بڑے بڑے شہروں میں صحابہ کو مقرر فرمایا کہ وہ شہر والوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں احادیثِ نبوی کا درس دیں، اور دین کی تعلیمات انھیں سکھائیں، اور اس طرح ایک خالص اسلامی سماج پیدا کریں، حضرت عمرؓ نے ایک فریق کو دوسرے پر فوقیت اور امتیاز کا موقع نہیں دیا، اور نہ حکومت کے معاملات میں کسی ایک قبیلے اور محلے کو ترجیح دی، بلکہ عام لوگوں کو بالکل مساویانہ مواقع پیش کئے، چنانچہ گورنری کے لئے مضر، ربیعہ، اور یمن سے افراد کا انتخاب کیا، پھر ان سب پر سخت نگرانی رکھی، حضرت عثمانؓ کے فرمانوں میں تم نے پڑھا ہوگا کہ وہ یعنے حضرت عثمانؓ اور اُن کے گورنر فاروق اعظم کی پالیسی پر عمل پیرا ہوں گے لیکن آگے چل کر تم دیکھو گے کہ حضرت عثمانؓ نے گورنروں کے اپنے عہدوں پر باقی رکھنے کی ایک سال کی وصیت کے پورا ہوتے ہی اپنی پالیسی مجبور ہو کر یا خوشی سے بہرحال بدل دی، اور قریش عام عربوں پر ممتاز اور مسلط ہو گئے، چنانچہ بڑے بڑے شہروں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جلیل القدر مناصب پر قریش ہی مقرر کئے گئے دوسروں کو یہ موقع نہیں دیا گیا۔

حضرت عثمان کی رعایا کا چوتھا عنصر | مفتوحہ ممالک کے شہری حضرت عثمان کی رعایا میں چوتھا عنصر تھے، ان کے بارے میں اسلام کا مسلک بالکل صاف ہے کہ جو کچھ ان پر واجب ہو ان سے وصول کیا جائے اگر وہ اپنا حق ادا کردیں تو پھر ان کے لئے وہی تمام حقوق ہیں جو مسلمانوں کے لئے ہیں، حضرت عثمان اس مسلک سے بخوبی واقف تھے اور جیسا کہ ان کے فرمانوں میں بتایا گیا ہے وہ اور ان کے گورنر اس مسلک کے پابند بھی تھے۔

لیکن حضرت عثمان کے دور میں کہیں ذمیوں کی کوئی آواز کانوں میں نہیں پڑتی اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے ساتھ اسلامی مسلک کے مطابق سلوک کیا گیا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مغلوب اور بے بس تھے، اور سیاست میں قابل ذکر حصہ لینے کا ان کو موقع نہ تھا ورنہ کوئی بتائے کہ اس گفتگو کا کیا مطلب ہے جو ایک دن حضرت عثمان اور حضرت عمرو بن العاص کے درمیان ہوئی، حضرت عثمان عمرو بن العاص کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

— قد درّت تلک اللقاح بعدک یا عمرو! — اے عمرو تمہارے بعد اس اونٹنی نے تو دودھ دیا

عمرو بن العاص نے جواب دیا کہ

نعم وھلکت فصالھا، ہاں لیکن بچے تو سب مر گئے

حضرت عثمان کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ بیت المال میں حضرت عمرو بن العاص کے زمانہ گورنری میں جو رقم آیا کرتی تھی وہ عثمانی عہد کے گورنر ابن ابی سرح کی رقم سے کم تھی، حضرت عمرو بن العاص کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ آمدنی کا یہ اضافہ ذمیوں پر زیادتی کی بنا پر تھا، پھر اس واقعے سے دو ہی نتیجے نکالے جا سکتے ہیں یا تو عمرو بن العاص خراج کی آمدنی کا کچھ اپنی ذات کے لئے بچا لیتے ہوں گے اور بیت المال میں داخل نہ کرتے ہوں گے، یا پھر یہ کہ ابن ابی سرح ذمیوں اور اہل معاہدہ سے مقررہ رقم سے زیادہ وصول کرتے ہوں گے اور یہ دونوں باتیں بُری ہیں۔

اور پھر معاملہ رعایا کے ساتھ ناہموار یا لیسی تک محدود نہیں رہا، حضرت عمر تو قریش کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہایت سخت تھے وہ قریش کی سطح عام عربوں کی سطح کے برابر تصور فرماتے تھے، وہ کسی قبیلے کو دوسرے قبیلے پر کوئی فضیلت اور فوقیت نہیں دیتے تھے، حضرت عثمان یہ مساوات بھی قائم نہ رکھ سکے، چنانچہ انھوں نے قریش کو تمام عربوں پر قصداً یا سہواً فوقیت دی بلکہ وہ تو ایک قبیلۂ قریش میں بھی مساوات باقی نہ رکھ سکے اور اس کی ایک پارٹی کو دوسری پارٹی پر ممتاز کر دیا اور دانستہ یا نادانستہ ایک کو بڑھایا دوسرے کو گھٹایا، کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر کو کچھ خطرہ سا تھا کہ مساوات پورے طور پر باقی نہ رہ سکے گی اور انصاف چل نہ سکے گا اسی لئے انھوں نے حضرت عثمان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیا تھا کہ اگر وہ خلیفہ ہو جائیں تو عوام پر بنی اُمیہ اور ابو معیط کا خاندان مسلط نہ کر دینا اس طرح آپ نے حضرت علی سے بھی چاہا تھا کہ اگر خلافت کے مسند نشین وہ ہو جائیں تو عبد المطلب اور بنی ہاشم کے ہاتھ میں عوام کی لگام نہ دے دینا، حضرت عثمان نے حضرت عمر کی بات نہیں مانی اور لوگوں کی گردنوں پر بنی اُمیہ اور ابو معیط کو سوار کر دیا، کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضؓ نے بھی فاروق اعظم کا کہنا نہیں مانا اور جب وہ خلیفہ ہوئے تو اپنے چچا کی اولاد میں سے تین کو بصرہ، مکہ اور یمن پر حاکم بنا دیا اور مالک اشتر کو کہنا پڑا "کہ پھر بوڑھے کی جان کیوں لی گئی" لیکن اس کے باوجود میرے نزدیک حضرت عثمان کے عمل اور حضرت علی کے اقدام میں بہت بڑا فرق ہے، خود حضرت علی نے گورنروں کے بارے میں جب حضرت عثمان پر اعتراض کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ حضرت عمر نے بھی تو کوفہ پر مغیرہ بن شعبہ کو مقرر کیا تھا حالانکہ وہ کوفہ میں موجود نہ تھے، اور پھر انھوں نے معاویہ کو حاکم بنایا، اس جواب پر حضرت علی نے فرمایا کہ حضرت عمر اپنے گورنروں پر رعب اور شدید نگرانی رکھتے تھے اور تمہارے گورنر تو من مانے حاکم ہیں ان کو تمہاری کچھ پروا نہیں، اپنی طرف سے احکام جاری کرتے ہیں اور نام خلیفہ کا لگاتے ہیں اور آپ ان کے احکام میں کچھ رد و بدل بھی نہیں کر سکتے، اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت علی کا طرز عمل اپنے عزیز گورنروں کے ساتھ حضرت عمر کا سا تھا، وہ ان کی کڑی نگرانی کرتے تھے، خلاف ورزی یا کوتاہی کی صورت میں کوئی طاقت معزولی سے ان کو روک نہیں سکتی تھی، حالانکہ حضرت عثمان اس درجہ بے بس تھے کہ بنی اُمیہ اور آل معیط میں سے بھی کسی گورنر کو اس وقت تک معزول نہ کر سکے جب تک رعایا نے مجبور نہ کر دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہر حال حضرت عثمان کی رعایا وہی تھی جو حضرت عمر کی تھی، اور اس میں خفیف سی تبدیلی اس وقت ہوئی جب عثمانی دور کا ایک حصہ گذر چکا، اور حضرت عمر کا مسلک وہ واحد راہ تھی جس پر چل کر یہ رعیت کامیاب اور بامراد ہوتی۔

لیکن ہر مدعی کے لئے دار و رسن کہاں، سب لوگ فاروق کی سیرت نہیں پا سکتے، ہر ایک میں حضرت عمر کی وہ شدت جو حق کی راہ میں نرمی نہیں جانتی جو انصاف اور مساوات قائم کرنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتی کہاں سے آئے، خود حضرت عثمان بھی اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے چنانچہ ایک مرتبہ اپنے مخاطبین سے جب کہ دسترخوان پر زم غذا حاضر تھی فرمایا "ہر آدمی عمر کی سی طبیعت کہاں سے لائے" اور ایک مرتبہ بیت المال سے داد و دہش پر ملامت کرنے والوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا "ہم میں عمر جیسا کون ہے؟" اور ایک مرتبہ نبی کے ممبر سے کھڑے ہو کر فرمایا:

"ابن الخطاب نے تمہیں زد و کوب کیا، منہ توڑ جواب دیا، تم ان سے ڈرتے رہے اور ان سے ان باتوں پر خوش رہے جن پر مجھ سے ناراض ہو اور یہ اس لئے کہ میں نے تم پر ہاتھ نہیں اٹھایا، تمہارے خلاف زبان نہیں کھولی۔

پس دونوں میں بڑا فرق ہے، طبیعت میں فرق ہے، مزاج میں فرق ہے اور عمر میں بھی فرق ہے لیکن یہ فرق فتنے کی جڑ نہیں ہیں، فتنے کے اسباب کچھ اور بھی ہیں جن کا دفع کرنا حضرت عثمانؓ کے بس سے بھی باہر تھا، آئندہ فصل میں ہم بعض ان اسباب پر روشنی ڈالیں گے۔

اپنے اختیار سے گورنروں کا تقرر

خلافت کا پہلا سال ختم ہوا، اور حضرت عمرؓ کی یہ وصیت کہ "گورنروں کو ایک سال تک ان کے عہدوں پر باقی رکھنا" پوری ہوئی، اب حضرت عثمانؓ کو آزادی ملی اور وہ حاکموں کے تقرر اور معزولی میں اپنی طبیعت اور اقتدار سے کام لینے لگے، اس براہ راست اقدام میں کچھ جلد بازی ضرور تھی، لیکن پھر بھی کافی غور و فکر کے بعد اقدام کیا گیا تھا، آپ نے ایسے صوبوں کی طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی توجہ نہیں کی جن کی سیاست، انتظام اور جنگ کے اعتبار سے کوئی اہمیت نہ تھی چنانچہ ان میں آپ نے حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ گورنروں کو ہی برقرار رکھا، ہاں ضرورت پڑنے پر کوئی معمولی سی تبدیلی بلا کسی خاص توجہ اور اہتمام کے کردی۔ اس زمانے میں صوبوں کی حیثیتیں مختلف تھیں، بعض صوبے سیاسی، انتظامی اور جنگی نقطۂ نظر سے غیر معمولی اہمیت رکھتے تھے، خصوصاً وہ تمام علاقے جو مسلمانوں نے فتح کئے تھے اور بعض وہ جو رومی مملکت سے کٹ چکے تھے اور جن پر فارسی عنصر غالب تھا، ایسے اہم صوبے چار تھے، شام، مصر، کوفہ، بصرہ، ان میں سے ہر صوبہ ایسا تھا جس کی سرحدیں حفاظت اور مدافعت کی محتاج تھیں، ہر ایک کے سامنے دارالحرب تھا جس پر مسلمانوں کو گہرے غور و فکر کی ضرورت تھی شام کے سامنے خود رومی آبادیاں اور سمندر کی سطح تھی۔ مصر کے بالمقابل دریا کی موجیں اور شمالی افریقہ تھا، عراق کے دونوں شہروں کوفہ اور بصرہ کے سامنے فارس کے مفتوحہ اور غیر مفتوحہ علاقے تھے، اسلامی قوت کے یہی چار مرکز تھے، انھیں میں اسلامی فوجیں مقیم تھیں، انھیں کے بالمقابل وہ سرحدیں تھیں جن میں لڑنے والی فوجیں کبھی کوچ اور کبھی قیام کرتی رہتیں۔ یہی چار صوبے مسلمانوں کی دولت اور ثروت کے بھی سرچشمہ تھے، انھیں میں تہذیب و تمدن کا شاندار اور پر بہار دور تھا، ان میں زرخیز زمینیں تھیں جن میں خدا کا دیا بہت کچھ پیدا ہوتا یہی صوبے خراج کی وصولی کے مرکز تھے، انھیں میں وہ ذمی آباد تھے جو جزیہ ادا کرتے تھے اور پھر یہی وہ صوبے تھے جنہیں فتوحات کے دست و بازو کہنا چاہیئے، یہیں ہر سال فاتحین مال غنیمت لاتے اور یہیں سے اس کا پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا جاتا۔ پس اگر عرب فوجی قوت کے اعتبار سے اسلام کی ایک طاقت تھے تو یہ چاروں صوبے مالیاتی نقطۂ نظر سے اسلام کا غیر معمولی سرمایہ تھے۔ ان حالات کے پیشِ نظر کوئی تعجب کی بات نہیں اگر حضرت عثمان نے ان صوبوں کی طرف خاص توجہ فرمائی اور دوسرے ایسے صوبوں کو نظرانداز کردیا جن کی کچھ اہمیت نہ تھی، بلاشبہ مکہ مکرمہ، طائف اور یمن بھی صوبے تھے اور ان کا بھی درجہ ہے، لیکن اول تو یہ کہ یہ صوبے کسی میدانِ جنگ کی زد میں نہ تھے اور پھر وہ آمدنی کا ذریعہ بھی نہ تھے، ان سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی ایسے ساز و سامان اور ایسی قوت کی توقع نہ تھی جو کسی نئی حکومت کے استحکام کا ضروری جزو ہو سکے۔ ان صوبوں کی اہمیت اور قدر و قیمت فتوحات سے قبل غیر معمولی تھی، جب رسول اللہ صلعم اس کوشش میں مصروف تھے کہ پورے عرب ملک میں اسلام پھیلا دیں۔ لیکن فتوحات کے بعد جب کہ عربی سرزمین اللہ کی پرستش سے معمور ہو گئی اور اسلام محفوظ ہو گیا۔ تو ان کی اہمیت دوسرے درجہ میں آگئی۔ اور پہلا درجہ ان صوبوں کو ملا۔ جن کی فتح میں مسلمانوں نے اُن عربی صوبوں سے کہیں زیادہ جانی اور مالی قربانیاں پیش کی تھیں۔ ان ہی باتوں کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ چھوڑ کر جانے والے مسلمانوں نے مکہ طائف یا یمن کا رُخ نہیں کیا بلکہ عراق۔ شام۔ مصر کا ارادہ کیا۔ ان جانے والوں میں جو نیک اور مخلص تھے ان کے پیش نظر فتوحات میں وسعت کے ساتھ ساتھ سرحدوں کی حفاظت اور آخرت کا ثواب تھا۔ اور جو کاروباری تھے وہ دنیاوی مقاصد رکھتے تھے۔ تاجر تجارت کرتا تھا اور کاشتکار زراعت اس طرح مختلف طبقے مختلف طریقوں سے فوائد حاصل کرنے میں مصروف تھے۔

حضرت عمرؓ نے جب وفات پائی۔ تو کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ ثقفی تھے اور بصرہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعری ان دونوں کو حضرت عثمانؓ نے پہلے سال باقی رکھا۔ لیکن سال کے خاتمہ پر مغیرہ کو کوفہ کی حکومت سے معزول کر دیا اور اُن کی جگہ سعد بن ابی وقاص زہری کو والی بنایا۔ یہ تقرر حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی اس خواہش کی بنا پر کیا تھا کہ "میں نے سعد بن ابی وقاص کو کسی خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا۔ میرے بعد اگر وہ خلیفہ نہ ہو سکے تو اُن کا تعاون حاصل کرنا ضروری ہے۔" لیکن سعد بن ابی وقاص کوفہ کی گورنری پر ایک سال اور کچھ دن سے زیادہ نہ رہ سکے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ مجبور ہوئے کہ اُن کو معزول کر دیں۔

مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ سعد بن ابی وقاص کو معزول کر دینے پر مجبور ہو گئے۔ ہوا یہ کہ عبداللہؓ ابن مسعود بیت المال کے خزانچی اور سعد بن ابی وقاص کے درمیان اختلاف ہوا۔ ایسا اختلاف جس نے حضرت عثمانؓ کو دونوں پر سخت برہم کر دیا اور آپ نے دونوں کے خلاف ارادہ فرمایا۔ لیکن پھر رُک گئے اور سعد بن ابی وقاص کی معزولی پر اکتفا کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس اختلاف کی بنیاد بھی واقعتہً حیرت انگیز تھی۔ کہا جاتا ہے کہ سعد ابن ابی وقاص نے بیت المال سے کچھ قرض لیا اور اس کا وثیقہ لکھ دیا۔ اب عبداللہ بن مسعود نے قرض ادا کر دینے کا مطالبہ کیا۔ حضرت سعدؓ نے مہلت کی درخواست کی عبداللہ بن مسعود اس پر راضی نہیں ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف کوفہ والوں کی ایک جماعت کی حمایت حاصل کی۔ ابن مسعود اپنی حامی جماعت کی امداد سے چاہتے تھے کہ سعد قرض ادا کر دیں اور سعد کی کوشش یہ تھی کہ اپنے حامیوں کے ذریعہ ابن مسعود سے مہلت حاصل کریں۔ بالآخر دونوں اکٹھا ہوتے ہیں اور بات گستاخی کی حد تک پہنچتی ہے۔ بقول راویوں کے حضرت سعد ارادہ کرتے ہیں کہ ابن مسعود کے حق میں بددعا کریں۔ یہ دیکھ کر ابن مسعود گھبراتے ہیں اور اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود جانتے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے خدا سے دعا کی ہے کہ "جب کبھی سعد کوئی دعا کرے تو اُسے قبول کر" راوی کہتے ہیں کہ حضرت سعد نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور فرمایا کہ "اللّٰھم ربّ السمٰوٰت والارض" اتنا سن کر ابن مسعود نے کہا۔ سعد منہ سے اچھا کلمہ نکالنا۔ یہ کہہ کر فوراً وہاں سے لوٹ آئے۔ اب معاملہ حضرت عثمانؓ تک پہنچا، آپ دونوں پر سخت غصہ ہوئے اور دونوں کے خلاف کارروائی کا ارادہ کیا۔ لیکن بعد میں رُک گئے اور سعد کو معزول کر دیا اور اُن سے جو کچھ اُن پر تھا وصول کر لیا۔ اور کوفہ کے لئے ایک نئے گورنر کا تقرر کر دیا۔

تمام راوی اس واقعہ پر متفق ہیں۔ لیکن میں اس مقام پر انتہائی احتیاط برتنا چاہتا ہوں۔ میری اس احتیاط کے کئی سبب ہیں۔ حضرت سعد کے متعلق حضرت عمرؓ کی آنے والے خلیفہ سے یہ سفارش تھی کہ اُنھیں موقع دیا جائے۔ اور یہ کہ انھوں نے کسی خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا اور مذکورہ بالا قصے کا کم از کم اتنا تو مفہوم ہے کہ حضرت سعدؓ نے بیت المال سے کچھ قرض لیا تھا اور اُس کی ادائیگی میں تاخیر کر رہے تھے یا ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ شخص جسے فاروق اعظم نے مجلس شوریٰ کے لئے پسند کیا ہو۔ جسے منصب خلافت کا امیدوار بنایا ہو اور اگر خلیفہ نہ ہو سکے تو اس کے تعاون کو ضروری قرار دیا ہو۔ وہ ایسی کمزوری دکھائے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تو سب جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے یہ ممکن نہیں کہ عوام کی بھلائی اور خیر خواہی کے خلاف کسی ایک شخص کے لئے ذاتی فائدے کے خواہاں ہوں۔ انھوں نے تو ہمیشہ عام مسلمانوں کے مفاد کو مقدم رکھا۔ بلاشبہ جب وہ خلیفہ سے سفارش کر رہے تھے کہ سعد سے کام لینا۔ اُن کو گورنر بنانا تو اس کا مطلب سعد کو خوش کرنا یا اُن کی طرفداری کرنا یا اپنے ساتھیوں پر اُن کو مقدم کرنا نہ تھا۔ بلکہ آپ خلیفہ اور مسلمانوں کو مخلصانہ مشورہ دے رہے تھے اور ہدایت فرما رہے تھے کہ سعد کی قابلیت اور خاص کر جنگی معاملات میں ان کی مہارت سے فائدہ اُٹھانا۔ اس لئے کہ ایرانی علاقوں کے معاملات مسلمانوں کی منشار کے مطابق اطمینان بخش نہ تھے ایرانی اقتدار کا بڑی حد تک خاتمہ ضرور ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی اُس کی شوکت ٹوٹی نہ تھی۔ کسریٰ یزدگرد شکست کھا چکا تھا۔ لیکن وہ مارا نہیں گیا تھا اور نہ قید کیا جا سکا تھا۔ وہ اپنے ملک میں تھا اور شہروں اور دیہاتوں میں بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ فارس میں بہت سے شہر تھے۔ بعض تو ایسے تھے جہاں اب تک مسلمان پہنچ بھی نہ سکے تھے۔ اور بعض ایسے تھے۔ جن سے مسلمانوں کی صلح ہو چکی تھی۔ لیکن مطلع ہنوز غبار آلود تھا۔ ایسے مقامات فرصت کے منتظر اور وقت کی تاک میں تھے کہ جیسے ہی موقع ملے۔ بغاوت کر بیٹھیں، سر زمینِ ایران پر فتوحات کی ابتدا ہوئی تو بڑی تیزی کے ساتھ سلسلہ آگے بڑھا لیکن فتح کی تکمیل بہرحال نہیں ہو سکی۔ اور معرکہ قادسیہ کے مردِ میدان سعد بن ابی وقاص ہی کسریٰ کی حکومت کے فاتح تھے۔ ایسی حالت میں یہ کوئی حیرت کی بات نہ تھی کہ حضرت عمرؓ کے دماغ میں سعد ابن ابی وقاص کے متعلق یہ خیال آئے کہ فتوحات کا جو سلسلہ انھوں نے شروع کر دیا تھا وہی اس کی تکمیل کر دیں۔ اور غالب گمان ہے کہ اگر فاروق اعظمؓ زندہ رہتے تو سعد کو پھر کوفہ پر واپس کر دیتے۔ اور حکم دیتے کہ وہ آگے بڑھیں یہاں تک کہ اُن کے ہاتھوں فتح کی تکمیل ہو جاتی۔ اور یہ سعد اسلام کی طرف سبقت کرنے میں مشہور ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے متعلق کہا کرتے تھے کہ میں تو ثلث "الاسلام" ہوں اُن کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں صدیق اکبرؓ کے بعد مسلمان ہوا ہوں اور اس طرح نبی صلعم کے بعد ابو بکرؓ اور ان کے بعد میں اور اگر حضرت ابو بکرؓ اور زید ابن حارثہ کے بعد وہ مسلمان ہوئے ہوں تو وہ اُن تین میں سے ایک ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے۔ اور پھر حضرت سعدؓ باتفاق محدثین بطن رابغ جانے والے فوجی دستہ "سریہ" کے ۵

۵ سب سے پہلے تیر انداز تھے۔ یہ دستہ عبیدہ ابن حارثؓ ابن عبد المطلب کی قیادت میں جا رہا تھا۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com